خلافتِ معاویہؓ و یزیدؒ

"ایک جائزہ"

(از:۔ جناب مولانا مجاہد الاسلام القاسمی، مدرس مدرسہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر)

مولانا محمود احمد عباسی صاحب کی تالیف "خلافت معاویہ و یزید" اس وقت پورے ملک میں محلِ بحث و نظر بنی ہوئی ہے۔ راقم الحروف نے بھی اس کتاب کا مطالعہ کیا اور جو کچھ محسوس کیا اسے پیش کر دینا ضروری سمجھتا ہے۔

کتاب کی ابتدا "عرضِ مؤلف" سے ہوتی ہے۔ مصنف نے پیشِ لفظ میں جہاں عہدِ بنو امیہ کی برکات پر روشنی ڈالی ہے۔ وہاں تمام مستند تاریخوں کو درجۂ استناد کو بھی چیلنج کیا ہے۔ مصنف کے نقطۂ نظر سے بنو امیہ کے بارے میں دوسری صدی ہجری میں وضعی روایات اور من گھڑت افسانوں کا پہاڑ کھڑا کر دیا گیا۔ اس طرح اسلامی تاریخ کی جتنی معتمد کتابیں ہیں ان کو بیچ سے یک قلم نکال دیا گیا ہے، اگر مصنف کے اس نقطۂ نظر کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر نہایت سہولت کے ساتھ تاریخ کے ان تمام اہم واقعات کا انکار کیا جا سکتا ہے جن پر شک و وہم کا کوئی گذر نہیں۔ تحقیق و تنقید کا یہ طریقہ تو صحیح ہے کہ "مخالف و موافق" آراء و اقوال کو سامنے رکھ کر اصولِ روایت اور اصولِ درایت کی بنیاد پر سچ کو جھوٹ سے الگ کیا جائے۔ اور صحیح صورتِ حال کی تحقیق کی جائے لیکن تحقیق کا یہ طریقہ بالکل انوکھا ہے کہ ایک رائے پہلے سے قائم کر لی جائے۔ پھر اگر اس مزعومہ نقطۂ نظر کے خلاف کوئی بات کسی مصنف نے لکھدی ہے تو اس روایت کو ناقابلِ اعتبار ٹھہرانے کی خاطر اس تصنیف اور اس کے تمام مواد کو غلط قرار دیا جائے "تاریخ طبری" یا اس طرح کی دوسری تاریخیں ظاہر ہے کہ انسانوں کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں، جن کی پیش کردہ معلومات کو لاریب فیہ کی سند حاصل نہیں

ان میں صحیح غلط کا احتمال ہے بنا بریں صحیح طریق کار یہ ہے کہ ان "روایات" پر جرح و نقد کیا جائے اور صحیح کو غلط سے الگ کیا جائے لیکن اگر ان تمام روایات کو غلط قرار دینے کے لئے امام ابن جریر طبری جیسے امام اہل سنت والجماعت پر شیعی اور غالی شیعی کا لیبل لگا دیا جائے تو اسے صحیح طریق کار نہیں کہا جا سکتا۔

مصنف نے اس پوری جماعت مورخین میں سے صرف "ابن خلدون" کو بخشا ہے۔ اور ان پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

"البتہ ایک منفرد مثال علامہ ابن خلدون کی ہے جنہوں نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمۂ تاریخ میں بعض مشہور وضعی روایات کو نقد و درایت کے معیار سے پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ اور نام نہاد مورخین کے بارے میں صاف کہا ہے کہ تاریخ کو خرافات اور واہی روایات سے انھوں نے لتھیڑ ڈالا۔ (ص ۱)"

ص۱ سے مولوی علی احمد عباسی کے قلم سے "تعارف" ہے اس میں بھی تاریخ کو دوسری صدی ہجری میں وضعی روایات سے بھر دینے اور تاریخ اسلام کو مسخ کر دینے کا الزام قائم کیا گیا ہے اور پھر سبائی تحریک کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ پھر جناب تمنا عمادی کا لکھا ہوا مقدمہ ہے۔ اس میں ان تعصبات اور غلو پر تبصرہ کیا گیا ہے جو تاریخی روایات پر اثر انداز رہے ہیں۔ اس کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے۔

اصل کتاب کے بنیادی مباحث یہ ہیں کہ یزید خلیفہ عادل ہے، وہ اعلیٰ کردار، بلند کیرکٹر اور مختلف خوبیوں کا حامل تھا، اس کی خلافت جائز تھی، اس پر تمام صحابہؓ کا اتفاق تھا۔ اور حضرت حسین بن علیؓ کا خروج قطعاً جائز نہیں تھا۔ ان کے خروج کی حیثیت "خلیفہ عادل کے مقابلے میں کسی باغی کے خروج" کی ہے۔ ان کا قتل محض ایک اتفاقی واقعہ تھا۔ جو خود ان کے سبائی ساتھیوں کی وجہ سے پیش آگیا۔

کتاب میں ضمنی طور پر کہیں کہیں خود حضرت علیؓ پر بھی بے جا نقد کیا گیا ہے۔ حضرت امیر معاویہؓ سے موازنہ کرتے ہوئے کہیں لکھا گیا ہے کہ "حضرت علیؓ کی بیعت ہی مکمل نہیں ہوئی تھی"۔ "انھوں نے کبھی کوئی ملک فتح نہ کیا"۔ "ان کے زمانہ میں کبھی جہاد نہ ہوا"۔ "اپنے زمانۂ خلافت میں کبھی انھوں نے حج نہ کیا۔ اور نہ امارتِ حج کے فرائض ادا کئے یہی نہیں بلکہ ان کی اولاد میں سے بھی کبھی کسی نے امارتِ حج کے فرائض ادا نہیں کئے۔ بخلاف حضرت معاویہؓ کے اور ان کے لائق فرزند امیر یزیدؒ کے کہ انھوں نے تین بار امارتِ حج کے فرائض

ہوا کئے وغیرہ وغیرہ۔

اس طرح بعض جگہ تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف حضرت علیؓ پر حضرت معاویہؓ ہی کو نہیں بلکہ یزید کو بلند کرنا چاہتے ہیں۔ ایک جگہ حضرت معاویہؓ کے فضائل کا ذکر کرتے کرتے سیاست و حکومت حضرت عمرؓ سے بھی انھیں بڑھا دیتے ہیں۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بارے میں تمام علما ر سلف کا یہ عقیدہ رہا ہے کہ ہم ان کے باہمی نزاعات کے بارے میں "کفِ لسان" کریں، اور خواہ مخواہ کے لئے "تفضیل و موازنہ" کی بحثوں سے اپنے زبان و قلم کو آلودہ نہ کریں۔

ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ، معاویہؓ و عمرو بن العاصؓ، طلحہؓ و زبیرؓ، حسینؓ و حسنؓ، یہ سب آفتاب و ماہتاب تھے۔ ان سب نے آفتابِ نبوت سے روشنی حاصل کی تھی، اور سب ہمارے لئے "شمع ہدایت" تھے۔ قرآن کریم نے انھیں

رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

کا امتیاز بخشا۔ اور جناب رسالت مآبؐ نے

اصحابی کالنجوم، بایھم اقتدیتم اھتدیتم

فرمایا۔

انہیں حضرات کی جد و جہد نے دین کو محفوظ و مامون شکل میں ہم تک پہنچایا۔ اور ان کا یہ احسان قیامت تک امت کے سر پر رہے گا۔ تمام محتاط اہلِ قلم نے صحابۂ کرامؓ کو ان کے باہمی نزاعات میں مخلص تسلیم کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ یہ حضرات اپنی اجتہادی رایوں پر عامل تھے۔ ظاہر ہے کہ ان کا اختلاف ظنی مسائل میں ہوا ہے۔ اور وہ ان مسائل میں اجتہاد کے مجاز تھے۔ ان کی بلند کرداری، للّٰہیت، خلوص اور خدا پرستی کی پوری زندگی اس پر شاہد ہے۔ کہ صحابہؓ اپنی خواہشِ نفس کے پیرو نہیں تھے۔ وہ اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے ہر ہر جزئیہ میں صرف "رضائے الٰہی" کو سامنے رکھتے تھے۔ یہی ان کا مطمحِ نظر تھا، اور یہی ان کا نصب العین

بہرحال کتاب کے جن بنیادی مباحث پر گفتگو کرنی ہے۔ ان کے تجزیے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے

کچھ اقتباسات پیش کئے جائیں۔ اور نتائج نکال کر گفتگو کی جائے۔ مصنف ص۳۹ پر تحریر فرماتے ہیں۔

"ہم عصر حضرات کو جن میں کثیر تعداد صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور تابعین کرام کی شامل تھی امیر یزید کی سیرت اور کردار میں کوئی خامی ایسی نظر نہیں آتی تھی جس کی بنا پر عقد بیعت خلافت ناجائز ٹھہرے یا بعد بیعت ان کے خلاف خروج وبغاوت کا جواز نکالا جائے۔"

ص۴۹ پر لکھا ہے

"علم وفضل، تقویٰ وپرہیز گاری، پابندی صوم وصلوٰۃ کے ساتھ امیر یزید صد درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ ومتین تھے۔"

ص۶۰ پر دیکھئے

سیرت امیر یزید کا یہ مختصر سا تذکرہ اس سلسلہ میں کیا گیا ہے کہ ان کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہیں تھی کہ ان کے خلاف خروج کا جواز نکالا جا سکتا

ص۶۲ پر تحریر ہے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور احکام شریعت کی تصریحات سے واضح ہے کہ حضرت حسینؓ کے امیر یزید کے خلاف اقدام خروج کا جواز مطلق نہ تھا۔"

مصنف نے یزید کے ایک شعر سے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت حسینؓ نے بھی امیر المومنین معاویہؓ کی زندگی میں امیر یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی۔ ص۵۷

اور اپنے اس دعویٰ کی تائید میں ایک یورپین مورخ دوزی کے جملے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"آزاد اور بے لاگ مورخین نے حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اسی بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے وہ لکھتا ہے:۔

ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خدوخال بھرے اور حضرت حسینؓ کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک ذرا سی لغزش وخطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معقول حُبِّ جاہ کے باعث ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہوں ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر وبیشتر

انھیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے۔ وہ انھیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصور وار خیال کرتے تھے۔ اس لئے کہ انھوں نے حضرت معاویہؓ کی زندگی میں یزید کی ولیعہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق یا دعوائے خلافت کو ثابت نہ کرسکے ص۶۱"

اسی طرح ص۹۶ پر "اقدام خروج کی غلطی" کے عنوان کے تحت تحریر فرماتے ہیں "کردار خلیفہ میں کوئی خامی یا برائی ایسی نہ تھی کہ اس کے خلاف خروج کا جواز نکالا جاسکتا ص۹۷"

پھر ص۹۱ پر جو کچھ لکھتے ہیں۔ اسے غور سے پڑھا جائے۔

اب اگر بالفرض یہ ثابت کردیا جائے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا تب بھی دینی زاویہ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گذر چکے ہیں ان کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا۔ جیسا کہ حضرت علی مرتضیٰؓ پر۔

حضرت علیؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ امت کی بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے وہ بڑی جمعیت رکھتے تھے۔ ان کے قبضہ میں ملک تھے، اور لاکھوں انسانوں کی حمایت انھیں حاصل تھی۔ پھر ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھائے تو امیر یزید جو متفق علیہ خلیفہ تھے۔ جن کا پرچم تمام عالم اسلام پر لہراتا تھا۔ جن کی بیعت میں سیکڑوں صحابہ کرام خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ نیز حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) جیسی معتدد اور مقدس ہستیاں داخل تھیں۔ وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ ص۱۴۹

حاصل یہ ہوا کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ جن کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی، امت کی بڑی اکثریت ان کے خلاف تھی، اور جمہور امت کی حمایت حاصل نہیں تھی" اگر حضرت معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کے خلاف کارروائی کرسکتے ہیں۔ تو شرعاً یزید کو "جو متفق علیہ عادل خلیفہ تھا۔ جن کی حکومت کا پرچم تمام عالم اسلامی پر لہراتا تھا۔" اس کا حق کیوں نہیں کہ وہ حضرت حسینؓ پر تلوار اٹھائے جو حکومت عادلہ سے بغاوت کے مجرم تھے۔

آگے مصنف نے خود واضح کیا ہے :-

حضرت علی مرتضیٰؓ کی تلوار اگر ام المومنین عائشہؓ کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے ..... تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جا سکتی۔

اس کے بعد مصنف نے حضرت حسینؓ کی دعوت اور تحریک کی بنیاد کو ان الفاظ میں واضح کیا ہے جن کی (حضرت حسینؓ کی) دعوت محض یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انہیں بنایا جائے۔"

اس طرح حضرت حسین بن علیؓ مصنف کے نقطۂ نظر سے محض خاندانی اور نسلی فضائل کی بنیاد پر یزید کے خلاف دعوت خلافت لے کر اٹھے تھے۔ اور ظاہر ہے کہ اسلام اس طرح کے دعاوی تسلیم کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہے۔ اسی لئے مصنف کے خیال میں حضرت حسینؓ ایک حکومتِ عادلہ اور خلافت صحیحہ کے باغی تھے لیکن اس جرم بغاوت کے باوجود شروع سے ان کے خلاف کوئی سخت کارروائی نہیں کی گئی خود لکھتے ہیں "باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی" ص۱۸۰

ان اقتباسات اور کتاب میں پھیلے ہوئے دوسرے خیالات کی روشنی میں مصنف کے تصورات کا خلاصہ یہ ہے

الف :- یزید علم و فضل، تقویٰ و پرہیزگاری کا جامع تھا۔ صوم و صلوٰۃ کی پابندی کے ساتھ ہر درجہ کریم النفس، حلیم الطبع، سنجیدہ و متین تھا۔ خلافت کے لئے جن صفات کی ضرورت ہے وہ اس میں بدرجہ اتم اس میں موجود تھیں۔

ب :- ان سب باتوں کے بعد وہ خلیفہ منتخب ہوا۔

ج :- صحابۂ کرامؓ اور جمہور اصحاب حل و عقد اس کی خلافت پر متفق تھے اور کردار یزید میں کوئی ایسی خامی نہ پاتے تھے جس کی بنیاد پر اس کے خلاف خروج کو جائز کیا جائے۔

د :- ایسے عادل اور متفق علیہ خلیفہ کے خلاف خروج شرعاً حرام ہوگا اور اسے خلافت عادلہ کے خلاف بغاوت کہا جائے گا۔

س :- ان مقدمات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ مصنف کے نقطۂ نظر سے حضرت حسینؓ کا اقدام خروج

حرام ہوگا اور بغاوت۔ اور چونکہ حضرت حسینؓ نے ..... حضرت معاویہؓ کی حیات میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت بھی کر لی تھی، اس لئے وہ شرعاً غدر اور نقض عہد کے مجرم تھے۔

۵ :۔ ان سب امور سے زیادہ اہم جرم ان پر یہ عائد ہوتا ہے۔ کہ انھوں نے اپنی دعوت اور تحریک کی بنیاد ہی ایک ایسی غلطیات پر رکھی جو قطعاً شریعتِ اسلامی کی روح کے خلاف ہے اسلام آیا ہی تھا نسلی اجارہ داری کو مٹانے اور اُسے جڑ سے اکھیڑنے۔ پس حضرت حسینؓ کا مطالبہ خود مصنف کے الفاظ میں ایسا نہ تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جا سکتی ہے، نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے، نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائم اہلِ بیت سے" (ص۱۵)

لیکن ان سب جرائم کے باوجود حکومتِ وقت نے "ان کے خلاف شروع سے تشددانہ کارروائی نہیں کی"؛ حضرت حسینؓ کربلا پہنچے اور ان کی ملاقات اس فوجی دستہ سے ہوئی جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے ڈیرہ ڈالے ہوئے تھا۔ حضرت حسینؓ کے ساتھیوں نے جو سبائی ذہنیت رکھتے تھے۔ اس دستہ پر حملہ کر دیا اور اچانک جنگ چھڑ گئی اور یہ واقعہ محزون پیش آگیا۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد راقم الحروف نے جو کچھ محسوس کیا۔ وہ یہی امور ہیں۔ اور مجھے امید ہے کہ تمام اہلِ انصاف اس احساس میں شریک ہوں گے۔ کتاب کے پیش کردہ مندرجہ بالا تصورات حق ہیں۔ یا باطل؟ اس کے فیصلہ کی ایک راہ یہ ہے کہ ہم تاریخ کی کتابوں کی طرف رجوع کریں۔ اس سلسلہ میں تاریخ تمام کتابیں واضح نظریات پیش کرتی ہیں۔ لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا مصنف کو عام کتب تاریخ پر اعتماد نہیں ہے۔ ہاں ان کو ان تمام کتب تاریخ میں ابن خلدون پر اعتماد ہے، جیسا کہ مصنف کی تصریح گذشتہ صفحات میں گذر چکی ہے۔ ایک اور جگہ رقم طراز ہیں۔

علامہ موصوف نے ولایت عہد کی بحث میں امیر یزید کی ولیعہدی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ اسی کتاب میں دوسری جگہ درج ہے۔ اس کے پیشِ نظر راقم الحروف کا یہ استنباط شاید غلط نہ ہو کہ تنہا وہی ایک مورخ ہیں جنھوں نے دیگر وضعی روایات کی طرح سانحہ کربلا کی موضوعات کو اسی معیار سے جانچنے کی کوشش کی تھی جس کی پاداش میں ان کی کتاب کے تمام نسخوں سے صرف یہی تین ورق .....

اس حادثہ کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ آج تک کسی فردِ بشر کو چار و ناگ عالم میں دستیاب نہ ہو سکے (۵۳ عرضِ مؤلف)"

مصنف کا یہ استنباط کس حد تک صحیح ہے۔ اس سے بحث نہیں۔ یہاں تو صرف یہ عرض کرنا ہے کہ مصنف کو ابن خلدون پر پورا بھروسہ ہے اس لئے ہم دوسری تاریخوں کا سہارا لینے کے بجائے خود "ابن خلدون" کی رائے مذکورہ بالا مسائل کے بارے میں دیکھنا چاہتے ہیں۔

کیا یزید عادل، متقی اور پرہیزگار تھا

علامہ ابن خلدون نے اپنے شہرۂ آفاق مقدمہ تاریخ میں (جو ان کی تاریخی معلومات اور تحقیقات کا نچوڑ ہے) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے کہ تمام صحابہ شمع ہدایت تھے۔ ان کی عدالت، ان کا تقویٰ اور ان کا اخلاص محتاج بحث و نظر نہیں وہ اس سے بہت بالاتر ہیں کہ ان کے بارے میں نفسانیت کا وہم بھی کیا جائے۔ اس لئے حضرت امیر معاویہؓ کا یزید کو ولی عہد بنانا بھی دینی مصلحت سے تھا۔ اور ان مباحث کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔

وعرض هنا امور تدعو الضرورة الى بيان الحق فيها (۱۷۶)	یہاں چند معاملات ایسے ہیں جن کے بارے میں حق کا واضح کرنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں پہلا سوال کیا ہے؟ اور ابن خلدون نے اسے کس طرح حل کیا ہے؟ ذرا غور سے سنئے وہ کہتا ہے

فالاول منها ما حدث فی یزید من الفسق ایام خلافته۔ (۱۷۶)	پہلا مسئلہ تو یزید کے فسق کا ہے۔ جو اس کے زمانۂ خلافت میں پیدا ہو گیا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب یزید فاسق تھا۔ تو حضرت معاویہؓ جیسے مخلص صحابی نے اسے ولی عہد کیوں بنایا؟ اس کا ضرور خیال رکھئے کہ ابن خلدون ما حدث من الفسق (یزید کے فسق) کا جزم و یقین کے ساتھ ذکر کرتا ہے ما یروی (روایت کیا جاتا ہے) ما یقال (کہا جاتا ہے) ما ینسب (فسق کی اس کی طرف نسبت کی جاتی ہے) یا اس طرح کے دوسرے الفاظ استعمال نہ کئے جس سے یہ سمجھا جاتا کہ ان کے نزدیک یہ روایات کمزور اور واہی ہیں۔

اور اگر فسق یزید کی روایتیں واہیات و مخزمات تھیں تو اس کا صاف جواب یہی تھا کہ ابن خلدون ان روایتوں پر نقد کرتے ، جیسا کہ ان کی عادت ہے لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ انھیں دوسرے جواب کا سہارا لینا پڑا ، وہ لکھتے ہیں۔

فایاک ان تظن بمعاویة رضی اللّٰہ عنہ انہ علم ذالک من یزید فانہ اعدل من ذلک وافضل	ہرگز ہرگز تم حضرت معاویہؓ کے بارے میں یہ گمان مت کرنا کہ وہ یزید کے اس فسق سے واقف تھے اور انھوں نے اس کو (پھر بھی ولی عہد بنادیا) وہ اس سے بالاتر اور بلند ہیں۔
(۱۷۶)	

یزید کو ابن خلدون عدالت و تقویٰ کے اعلیٰ مدارج پر سمجھتے ہیں یا فسق و فجور کا مرتکب۔ اس کا اندازہ تو مندرجہ بالا جملوں ہی سے ہوجاتا ہے لیکن اگلے جملہ میں تو ابن خلدون نے اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ یزید کی طرف جو موسیقی اور گانے بجانے کی شوق کی نسبت کی جاتی ہے وہ صحیح ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات ہی میں پیدا ہو چکی تھی، اور حضرت معاویہؓ اس کی اس حرکت پر ملامت بھی کرتے تھے۔

بل کان یذلہ ایام حیاتہ فی سماع الغناء وینھاہ عنہ	بلکہ حضرت معاویہؓ یزید کو اپنی زندگی میں غنا کے سننے پر ملامت کرتے تھے اور اس سے منع فرماتے تھے۔
(ص ۱۷۶)	

ابھی تو مندرجہ بالا تصریح پر قناعت کیجئے۔ آئندہ صفحات میں اس مسئلہ کی کچھ اور تفصیل آرہی ہے۔

صحابہؓ کا موقف یزید کے بارے میں

مصنف نے بہت تفصیل سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ صحابہؓ یزید کی امارت پر خاموش ہی نہیں رہے۔ بلکہ انھوں نے اس کی خلافت کو بخوشی قبول کیا۔ مختلف عہدوں کو قبول کیا اس لئے کہ وہ یزید کو عادل و متقی خلافت کے لائق سمجھتے تھے۔ ان کے خیال میں یزید کے کردار میں کوئی خامی نہیں تھی وغیرہ وغیرہ۔

دیکھنا یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا موقف خلافت یزید اور کردار یزید کے بارے میں کیا تھا؟ کیا وہ واقعۃً اس کی عدالت و تقویٰ کے معترف تھے۔ اور اسی لئے وہ حضرت حسینؓ کو اس اقدام سے روک رہے تھے۔ ابن خلدون یزید کے فسق اور اس کے بارے میں صحابہ کرامؓ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

ولما حدث فی یزید ما حدث	جب یزید میں فسق و فجور ظاہر ہوا تو اس وقت
من الفسق اختلفت الصحابة	صحابہؓ کے مابین اس کے بارے میں اختلاف
حینئذ فی شانه (۱۷۷)	رائے ہوا۔

خیال رکھئے کہ یزید کا فسق محتاج بحث مسئلہ نہ تھا۔ اختلاف ہوا تو اس میں کہ اس امام فاسق کے سلسلہ میں کیا طرز عمل اختیار کیا جائے؟

فمنهم من رای الخروج علیه	پس صحابہ کی ایک جماعت تو یزید کے خلاف
ونقض بیعته من اجل ذٰلك كما	خروج کرنے اور اس کے فسق و فجور کی وجہ
فعل الحسینؓ وابن الزبیرؓ ومن	سے بیعت توڑنے کی قائل تھی جیسا کہ حضرت حسینؓ
اتبعهما فی ذٰلك (۱۷۷)	اور ابن زبیرؓ نے ان کے متبعین نے کیا

اور دوسری جماعت کا مسلک یہ تھا

ومنهم من اباه	اور صحابہ کی دوسری جماعت خروج کی منکر تھی۔

کیوں؟ کیا اس لئے کہ یزید کے کردار میں کوئی خامی نہیں تھی"؟ نہیں! بلکہ

لما فیه من اثارة الفتنة وكثرة	اس لئے کہ اس سے فتنہ اٹھے گا اور قتل و قتال
القتل مع العجز عن الوفاء به	ہوگا، پھر حالات بھی ایسے نہیں ہیں۔ کہ یہ
	دعوت پوری ہوگی۔

اب ان صحابہ نے جو طرز عمل اختیار کیا ہے وہ بھی سنئے

فاقصروا عن یزید بسبب	اسی فتنہ و فساد کے خوف سے یزید کے خلاف

ذلک خروج سے احتراز کیا،

اور

اقاموا علی الدعاء بعدایتہ — اب وہ لوگ یزید کی ہدایت اور اس سے مسلمانوں

والراحۃ منہ — کی نجات کے لئے دعا کرنے میں مشغول ہوگئے

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مسلک یزید کے بارے میں جو کچھ تھا، اس کا خلاصہ یہی ہوا۔ کہ فاسق اسے سبھی سمجھتے تھے، بعضوں نے اس بلاء سے نجات دلانے کے لئے خروج کیا، اور اپنی جانیں "حکومتِ عادلہ اور خلافتِ راشدہ" کے قیام کی جد وجہد میں قربان کردیں، دوسری جماعت نے عام مسلمانوں کو فتنہ وفساد سے بچانے کی خاطر سکوت اختیار کیا۔ اور دعا کی راہ اختیار کی، ابن خلدون نے اس اختلافِ رائے کا تذکرہ کرتے ہوئے بہت قیمتی جملے لکھے ہیں۔

والکل مجتھدون ولا ینکر علی احد من الفریقین فمقاصدھم فی البر وتحری الحق معروفۃ۔ وفقنا اللہ اللاقتداء بھم — یہ سب حضرات مجتہد تھے ان میں سے کسی پر نکیر کرنا جائز نہیں۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ ان سب حضرات کا نصب العین صرف نیکی اور حق ہوتا تھا۔ اللہ ان کی اقتدار کی ہمیں توفیق عطا فرمائے، آمین

(۱۷۷) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیوں خروج کیا؟ ان کی دعوت کیا تھی؟ کیا وہ محض نسلی فضیلت کی بنیاد پر دعوئ خلافت لے کر اٹھے تھے

جیسا کہ عرض کیا گیا۔ محمود احمد عباسی صاحب کے نقطۂ نظر سے حضرت حسینؓ بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعوت محض یہ تھی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے اور حضرت علیؓ کے بیٹے ہیں، اس لئے انھیں خلیفہ بنایا جائے لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مصنف کا یہ نقطۂ نظر ایسا نہیں ہے جس کی تائید میں کوئی تاریخی شہادت پیش کی جائے، بلکہ تاریخ کا جائزہ ہماری رہنمائی اس طرف کرتا ہے کہ حضرت حسینؓ کے اقدام کا نصب العین "خلافتِ عادلہ صحیحہ" کا قیام تھا۔ یزید کا فسق "خلافتِ نبوت" کو "خلافتِ قیصر وکسریٰ" سے بدل رہا تھا۔ یہ فسق گھر کی چار دیواریوں میں محدود نہ رہا تھا

بلکہ عوام الناس کے سامنے کھل چکا تھا۔ اس وقت حضرت امام حسین بن علیؓ کے اجتہاد نے اس طرف رہنمائی کی کہ اس "امام جائر" کے سامنے "حق کا اظہار" ضروری ہے۔ اور انھوں نے اس راہ میں اپنی جان دیدی۔
ابن خلدون لکھتا ہے۔

واما الحسین فانہ لما ظہر فسق	حضرت حسینؓ کا معاملہ یہ ہوا کہ جب یزید کا فسق
یزید عند الکافۃ من اھل	اس زمانہ کے تمام لوگوں کے سامنے کھل گیا تو
عصرہ بعثت شیعۃ اھل البیت	کوفہ کے طرفداران اہل بیت نے انھیں پیغام
بالکوفۃ للحسین ان یاتیھم فیقوموا	بھیجا کہ وہ ان کے پاس چلے آئیں اور یہ لوگ
بامرہ۔ (۱۸۰)	ان کی سرکردگی میں اٹھ کھڑے ہوں۔

اب یہاں دو چیزیں ہیں۔ ایک طرف خلیفہ کا فسق ہے جو تمام پبلک کے سامنے بے پردہ ہو چکا ہے۔ دوسری طرف اہل کوفہ کی دعوت ہے جو "تحریک" کے لئے شوکت کا سامان مہیا کرتی ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے اپنے کو اس دعوت کا اہل سمجھا اور خروج کا فیصلہ کیا اور اہل کوفہ کے اس پیغام کو لبیک کہا۔ اب آپ غور کریں کہ کیا حضرت حسینؓ نے اس پکار پر لبیک محض اس لئے کہا کہ وہ جاہ و اقتدار کے بھوکے تھے؟ یا محض اس لئے کہ وہ نبی کے نواسے تھے؟ ابن خلدون لکھتا ہے۔

رای الحسین ان الخروج علی	حضرت حسینؓ نے رائے قائم کی کہ یزید کے فسق
یزید متعین من اجل فسقہ	و فجور کی وجہ سے اب اس کے خلاف خروج
لاسیما من لہ القدرۃ علی ذلک	ضروری ہے خصوصاً اس شخص پر جو اس کی
(۱۸۰)	قدرت رکھتا ہو۔

معلوم ہوا کہ حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کی وجہ یزید کی نااہلی تھی، ان کا اپنا "نسلی استحقاق" نہیں۔
آگے چل کر ابن خلدون لکھتا ہے کہ
حضرت حسینؓ نے اپنے اندر خروج کی قدرت محسوس کی اپنی اہلیت اور اپنی شوکت کی وجہ سے
ابن خلدون لکھتا ہے کہ جہاں تک خلافت کی اہلیت اور صلاحیت کا تعلق ہے۔

فکان کما ظن و زیادۃ — اہلیت جیسی وہ سمجھتے تھے ویسی ہی تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ

ہاں شوکت کے اندازہ میں ان سے غلطی ہوئی۔ اس لئے کہ اس وقت ساری کلیدی طاقتیں، اور عصبیت بنو امیہ کے ہاتھ میں تھی۔ زمانۂ جاہلیت کی عصبیت جو اہم مسائل کے پیش آجانے کی وجہ سے دب گئی تھی پھر ابھر آئی تھی، اس لئے اس کا مقابلہ مشکل تھا۔ اس تفصیل کے بعد لکھتا ہے کہ

قد تبین لک غلط الحسین الا انہ فی امر دنیوی و لا یضرہ الغلط فیہ (۱۸۱) — حضرت حسینؓ کے اندازہ کی غلطی تمہارے سامنے واضح ہوگئی، لیکن خیال رکھو کہ یہ غلطی دنیاوی امر میں ہوئی اور دنیاوی (سیاسی) غلطی سے انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا،

رہا اس خروج کا شرعی حکم تو ظاہر ہے کہ اس کے جواز میں شک کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ اس کی بنیاد مجتہد کے اجتہاد پر ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حضرت امامؓ کے خروج کی بنیاد یزید کا فسق و فجور تھا، ان کی تحریک کی بنیاد "خلافتِ عادلہ" کا قیام تھا۔ وہ خدانخواستہ ایک غیر اسلامی چیز یعنی نسلی فضیلت کی بنیاد پر خلافت کے مدعی نہ تھے۔

صحابہ کا موقف حضرت حسینؓ کے بارے میں

جب عام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ مسلک سامنے آگیا کہ وہ یزید کے فسق کے باوجود اس کے خلاف خروج کے قائل نہ تھے، محض اس لئے کہ فتنہ و فساد کا خطرہ تھا عام صحابہؓ اپنے اس اجتہاد کی بنیاد پر حضرت امامؓ کا ساتھ تو نہ دے سکے

لم یتابعوا الحسین — انھوں نے حضرت حسینؓ کی اتباع نہ کی

لیکن امام حسینؓ کو غیر اسلامی تحریک کا داعی اور گنہگار بھی نہ کہا،

ولا انکروا علیہ ولا اثموہ (۱۸۰) — نہ انھوں نے حضرت حسینؓ پر نکیر کی اور نہ انھیں

گنہ گار قرار دیا۔

اور عام صحابہؓ کو حضرت حسینؓ نے بھی موردِ الزام قرار نہیں دیا۔ اس لئے کہ وہ بھی اپنے اجتہاد پر عامل تھے، لیکن اپنی دعوت کی حقانیت پر اور اپنی تحریک کی سچائی پر انھیں صحابہ کو گواہ بناتے تھے جو عملاً ان کے اس اقدام میں شریک نہیں تھے، اور کربلا میں اعلان کرتے تھے،

یستشهد بهم وهو يقاتل بكربلاء	حسینؓ جب کربلا میں قتال کر رہے تھے انھیں
على فضله وحقه ويقول سلوا	صحابہؓ کو اپنے فضل اور اپنے حق پر گواہ بناتے
جابر بن عبد الله وابا سعيد	تھے اور کہتے تھے،
الخدري وانس بن مالك	پوچھو جابر بن عبد اللہؓ، ابو سعید خدریؓ، انس
وسهل بن سعيد وزيد بن ارقم	بن مالکؓ، سہل بن سعیدؓ، اور زید بن ارقمؓ
وامثالهم (۱۸۰)	وغیرہ سے۔

خلاصہ یہی ہوا کہ حضرت حسین بن علیؓ اپنے اجتہاد پر عمل پیرا ہو کر یزیدیوں سے نبرد آزما ہوئے اور عام صحابہؓ نے فتنہ و فساد کا خیال کرتے ہوئے اسی میں نجات سمجھی کہ یزید کی ہدایت کے لئے دعا کی جائے، اور اس سے نجات اور راحت کی دعا کی جائے۔ حضرت حسینؓ سمجھ رہے تھے کہ عام صحابہؓ بھی یزید کے فسق سے واقف ہیں، اور وہ بھی خلافتِ عادلہ کے قیام کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن بنو امیہ کی طاقت اور عصبیت کی بنا پر کسی نئی تحریک کا بارآور ہونا مشکل ہے، اور پھر مسلمانوں کے مابین قتل و خون کا اندیشہ ہے، اس لئے وہ اس طرح کی تحریک اٹھانے کے لئے تیار نہیں۔ اس لئے حضرت حسینؓ نے انھیں مدد نہ کرنے پر موردِ الزام بھی نہ سمجھا، اور دوسری طرف انھیں اپنی دعوت پر گواہ بناتے رہے یہیں سے یہ بات بھی صاف ہو جاتی ہے، کہ بعض صحابہؓ نے حضرت حسینؓ کو اس اقدام یا کوفہ کی طرف جانے سے روکا تھا اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ "یزید کے کردار میں کوئی ایسی خامی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف خروج جائز ہو" بلکہ اس کی وجہ یہی تھی کہ صحابہؓ سمجھ رہے تھے کہ حالات ایسے نہیں ہیں جن میں یہ تحریک کامیاب ہو سکے۔

کیا یزید اور دوسروں کے لئے حضرت حسینؓ سے قتال جائز تھا؟ اس شبہہ کا ازالہ کرتے ہوئے کہ کیا حضرت حسینؓ کے

قتل میں صحابہؓ کی رائے کو بھی دخل تھا؟ ابن خلدون لکھتا ہے،

"حضرت حسینؓ سے یزیدیوں کا قتال حضرات صحابہؓ کی رائے اور ان کے اجتہاد سے نہ تھا۔ (ص۱۸۱)

بلکہ

انما انفرد بقتاله يزيد واصحابه (۱۸۰)	بلکہ ان کے قتال کے ذمہ دار صرف یزید اور اس کے ساتھی ہیں۔

اس کے بعد اس طرح کے خیالات کی تردید کرتا ہے" کہ جب حضرت حسینؓ باغی تھے تو ان سے قتال شرعاً جائز ہونا چاہیئے" اور لکھتا ہے کہ

باغیوں سے قتال علماء کے نزدیک اسی وقت جائز ہے جب کہ آپ امام عادل کا ساتھ دے رہے ہوں، اور یہاں ایسا نہیں ہے"

اس لئے کہ یزید ظاہر ہے کہ عادل نہیں تھا پس اس کے خلاف خروج "امام عادل" کے خلاف بغاوت نہ ہوگی" لہذا شرعاً حضرت حسینؓ سے قتال جائز نہیں ہوگا۔

فلا يجوز قتال الحسين مع يزيد ولا ليزيد	لہذا حضرت حسینؓ سے قتال کرنا نہ دوسروں کے لئے یزید کی معیت میں جائز تھا اور نہ خود یزید کے لئے جائز تھا۔

اور اگلا جملہ سنئے

بل هي من فعلاته المؤكدة لفسقه (۱۸۰)	بلکہ حضرت حسینؓ سے قتل وقتال تو یزید کی ان حرکتوں میں سے ایک حرکت ہے جو اس کے فسق کو اور پختہ کر دیتی ہیں۔

حضرت حسینؓ کی حیثیت اس معاملہ میں کیا تھی؟

والحسين فيها شهيد مثاب وهو على حق واجتهاد.	حسینؓ شہید تھے، اللہ کی طرف سے اجر و ثواب کے مستحق ہوئے، وہ برحق تھے اور اپنے اجتہاد پر عامل

ابن العربی اور واقعہ شہادت | قاضی ابوبکر بن العربی نے "العواصم والقواصم" نامی کتاب میں حضرت حسین بن علیؓ کے قتل کو حق بجانب قرار دیا ہے اور اس مسئلہ پر بحث کی ہے محمود احمد صاحب عباسی نے ابن عربی کی رائے سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، لیکن ابن خلدون اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتا ہے،

قد غلط القاضی ابوبکر ابن العربی	قاضی ابوبکر بن العربی سے اس مسئلہ میں غلطی
المالکی فی هذا فقال فی کتابه الذی	ہو گئی انھوں نے اپنی کتاب "العواصم والقواصم"
سماه العواصم والقواصم ما معنا	میں ایسے الفاظ لکھے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے کہ
ان الحسین قتل بشرع جده	حضرت حسینؓ اپنی نانا کی شریعت کے مطابق
(۱۸۰)	قتل کئے گئے

ابن عربی کا اشارہ اسی طرف ہے، کہ اسلامی نقطۂ نظر سے باغی کی سزا قتل ہے اس لئے حضرت حسینؓ کا قتل جائز تھا۔ ابن خلدون لکھتا ہے کہ ابن عربی کا یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ باغی کا قتل جائز اس وقت ہے جب کہ امام عادل ہو۔ یہاں تو مسئلہ کی صورت ہی دوسری ہے۔ ایک طرف یزید ہے جس کا فسق و فجور روز روشن کی طرح واضح ہو چکا تھا یہ "اہل آرا" تھے جو اپنی شہوات اور خواہش نفس کے مطابق حکومت چلا رہے تھے، دوسری طرف حسینؓ تھے جو مجسمۂ عدالت، و تقویٰ اور سراپا شرافت و دیانت تھے۔ پس حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کی حیثیت امام عادل کے خلاف بغاوت کی نہیں بلکہ امام جائر و فاسق کے مقابلہ میں "حق وصداقت کے علمبرداروں" کے خروج کی ہے، یہ حکومت عادلہ کے خلاف بغاوت نہیں تھی بلکہ امام جائرہ کے سامنے کلمۂ حق کا اظہار تھا۔ اور قتل کا قانون اس بغاوت و عہد شکنی کے لئے ہے۔ جو امام عادل کے مقابلہ میں اختیار کی جاتی ہے، نہ کہ اس شخص کے لئے جو کھڑا ہوا ہو، "ہرقلیت و کسرویت" جاہلی عصبیت اور فسق و فجور کو مٹا کر حق و عدالت کی بنیاد پر حکومت قائم کرنے کے لئے۔ پس ایسے شخص کے قتل کو کیسے جائز کہا جا سکتا ہے؟

ابن خلدون لکھتا ہے،

وهو غلط حملته علیه الغفلة عن	ابن عربی کی یہ رائے غلط ہے انھوں نے یہ غلط رائے
اشتراط الامام العادل ومن اعدل	اس لئے قائم کی کہ وہ امام عادل کی شرط سے

من الحسین فی زمانه فی امامته وعدالته فی قتال اهل الآراء (۱۸۰)

غافل ہو گئے اور حضرت حسینؓ سے بڑھ کر ان کے زمانہ میں امامت اور عدالت کے اعتبار سے اہل آراء کے قتال کے لئے کون اعدل تھا۔

حاصلِ کلام

ابن خلدون کی اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) یزید فاسق و فاجر تھا، اس کا فسق و فجور عوام و خواص پر ظاہر ہو چکا تھا۔

(۲) تمام صحابہؓ کو اس کی ان خامیوں کا احساس تھا، لیکن عام صحابہؓ فتنہ و فساد کے خوف سے خروج کے قائل نہیں تھے، اور بعض حضرات اس کے فسق کی وجہ سے خروج کو ضروری سمجھتے تھے،

(۳) حضرت حسینؓ نے اس وقت خروج کیا جب یزید کا فسق کھل کر سامنے آ گیا۔

(۴) حضرت حسینؓ پر صحابہؓ نکیر نہیں کرتے تھے، اور نہ گنہگار سمجھتے تھے،

(۵) حضرت حسینؓ سے قتال کو شرعاً جائز نہیں کہا جا سکتا۔

(۶) اس قتال کی ذمہ داری یزید اور اس کے ساتھیوں پر آتی ہے۔

(۷) حضرت حسینؓ برحق تھے، وہ واقعہ کربلا میں شہید ہوئے۔

(۸) حضرت حسینؓ کی حیثیت باغی کی نہیں تھی، بلکہ وہ "غلط بنیادوں پر قائم حکومت" کو مٹا کر "جائز اسلامی خلافت اور حکومتِ عادلہ" قائم کرنا چاہتے تھے،

اب ان حقائق کی روشنی میں کتاب کا مطالعہ کیجئے، کہ مصنف کے پیش کردہ تصورات کس حد تک صحیح ہیں۔؟